اجتماعی اجتہاد کی ضرورت اور اس کے تقاضے

مولانا ابوعمار زاھد الراشدی

خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرنوالہ

پہلی ''بنوں فقہی کانفرنس'' منعقدہ ۱۷۔۱۸ اپریل ۱۹۹۶ء کے لئے لکھا گیا۔

نمبر شمار: ذیلی عنوانات

۱: تقلید واجتہاد کی حدود کا تعین اور اجتماعی اجتہاد کے تصور کا علمی جائزہ

۲: مسائل حاضرہ اور اجتہادی عمل کے درمیان پائی جانے والی خلیج کے اہم اسباب

۳: عصر حاضر میں اجتہاد کی اہلیت کا مسئلہ

۴: موجودہ دور میں اجتماعی اجتہاد کے لئے کونسل (کمیٹی) قائم کرنے کی تجویز

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی جمیع الانبیاء والمرسلین خصوصاً علی خاتم النبیین وآلہ وصحبہ اجمعین.

المرکز الاسلامی بنوں کے سربراہ برادرم مولانا سید نصیب علی شاہ صاحب زید مجدکم کا شکر گذار ہوں۔ کہ ان کی عنایت سے ''بنوں فقہی کانفرنس'' میں شمولیت اور اہل علم وفکر کے اس اجتماع میں کچھ طالب علمانہ گذارشات پیش کرنے کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے،، کانفرنس کو کامیابی سے نوازے اور کچھ مقصد کی باتیں شرکاء کانفرنس کے گوش گذار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

آمین یاالٰہ العالمین۔

شاہ صاحب موصوف گزشتہ دنوں ''فقہی کانفرنس'' میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے اپنے معزز رفقاء کے ہمراہ گوجرانوالہ تشریف لائے تو ان کے پاس کانفرنس میں پیش کئے جانے کے لئے مضامین ومقالات کے مجوزہ عنوانات کی فہرست میں سے ایک عنوان کا میں نے خود انتخاب کیا جو فہرست کے مطابق یوں تھا۔

''تقلید واجتہاد کی حدود کا تعین اور اجتماعی اجتہاد کے تصور کا علمی جائزہ''

لیکن جب قلم وکاغذ سنبھالے خیالات کو مجتمع کرنا چاہا تو محسوس ہوا کہ یہ ایک نہیں دو الگ الگ عنوان ہیں۔ اور ہر عنوان اپنی جگہ مستقل گفتگو کا متقاضی ہے۔ اس لئے ان میں سے ثانی الذکر کا انتخاب کرتے ہوئے اسے ''اجتماعی اجتہاد کی ضرورت اور اس کے تقاضے'' کی شکل دے کر اس پر کچھ معروضات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اور گفتگو کے آغاز سے پہلے ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ یہ گذارشات کسی علمی تحقیق ومطالعہ پر مبنی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی خود کو اس کا اہل سمجھتا ہوں۔ بلکہ یہ اس وقت دنیا بھر میں تیزی کے

ساتھ آگے بڑھنے والی نظریاتی اور تہذیبی کشمکش کی فضا میں نفاذ اسلام کی جدوجہد کے ایک نظریاتی کارکن کے احساسات وتاثرات ہیں۔ جو کسی علمی ترتیب کے بغیر آپ حضرات کے سامنے آرہے ہیں۔اور انہیں اسی پس منظر میں سماعت فرمانے کی آپ سب بزرگوں سے استدعاء ہے۔معزز شرکاء کانفرنس! اجتہاد، احکام شرعیہ کے چار بنیادی مآخذ میں سے ہے۔ جسے قرآن کریم میں" لعلمه الذين يستنبطو نه منهم "کی صورت میں بیان فرمایا گیا ہے۔اور جناب رسالت مآب ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی طرف سے " اجتهد برائى " کے عزم کے اظہار پر ان کی حوصلہ افزائی اور تصویب فرما کر اسے سند توثیق بخشی ہے۔ پھر یہ جناب نبی اکرمؐ پر نبوت ورسالت کے مکمل اور ختم ہونے کا ناگزیر تقاضا بھی ہے۔ کہ قیامت تک وحی کے عدم نزول کے دور میں پیش آنے والے واقعات کا وحی کے ساتھ رشتہ قائم رکھنے کی کوئی صورت ضرور موجود ہوتا کہ نسل انسانی ان امور میں وحی الٰہی کی رہنمائی سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہو جانے والی آسمانی وحی اور قیامت تک نسل انسان کو پیش آنے والے مسائل ومشکلات کے درمیان اسی علمی ارتباط کا نام "اجتہاد" ہے۔ جس کی بدولت اسلام دنیا کے ہر خطے، نسل اور زمانے کے لوگوں کے لئے ایک قابل عمل بلکہ واجب العمل نظام حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔

اجتہاد کا یہ عمل جناب نبی اکرمؐ کے دور ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ نبی اکرمؐ کے اجتہادات کو چونکہ وحی الٰہی کی تائید یا سکوت کی صورت میں خود وحی الٰہی کا درجہ حاصل ہے۔اس لئے اصطلاحی معنوں میں اجتہاد کا آغاز حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے شمار کیا جاتا ہے۔ جو اس وقت سے مسلسل جاری ہے۔اور قیامت تک جاری رہے گا۔

اجتہاد کے بارے میں ایک بات تسلسل سے کہی جارہی ہے۔ کہ پہلی تین یا چار صدیوں کے بعد اجتہاد کا دروازہ علماء نے بند کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے بعد سے کوئی مستقل مجتہد سامنے نہیں آرہا لیکن یہ غلط فہمی علوم وفنون کی تشکیل وتدوین کے مراحل سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اجتہاد کا دروازہ کسی دور میں بند نہیں ہوا اور تمام تر کمزوریوں کے باوجود یہ عمل آج آب بھی جاری ہے۔ البتہ اجتہاد کے اصول وقواعد کی ترتیب وتدوین کا باب ضرور بند ہوا ہے۔اور یہ ایک منطقی اور فطری عمل ہے۔ دنیا میں مختلف علوم وفنون کے آغاز تشکیل اور ترقی وکمال کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ایک بات سب میں مشترک نظر آتی ہے۔ کہ انسانی معاشرہ کی کوئی نہ کوئی ضرورت مناسبت رکھنے والے اظہار ہوتا رہتا ہے۔اور مختلف جہات سے سامنے آنے والا یہ ذوق بتدریج ایک علم اور فن کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ یہی صورت حال "اجتہاد" کے ساتھ بھی پیش آئی۔ اجتہاد ایک شرعی ضرورت تھی۔ جس نے اجتہادی صلاحیت سے بہرہ ور ذہنوں میں داعیہ پیدا کیا، کچھ عرصہ تک اس ذوق کا انفرادی اظہار ہوتا رہا، اصول وضوابط وضع ہوئے۔ استنباط وتطبیق کے قواعد ترتیب پائے، مختلف شخصیات کی طرف سے وضع کردہ اصول وقواعد نے توافق وتقابل کے مراحل سے گزرتے ہوئے رفتہ رفتہ ایسا باضابطہ علم کی حیثیت اختیار کر لی اور متعدد فقہی مکاتب فکر وجود میں آگئے۔

اس پس منظر میں "مجتہدین مطلق" یا مستقل مجتہدین جو اجتہاد کے اصول وقواعد وضع کرتے ہیں۔ان کے ظہور کا دور وہی تھا۔ جب بنیادی قواعد وضوابط تشکیل پا رہے تھے۔اور اس میں بیسیوں مستقل مجتہدین سامنے آئے اور انہوں نے اپنے فقہی حلقے قائم کئے جن میں سے

چار اور اہل ظواہر کو شامل کر کے پانچ مکاتب فکر کو امت نے قبول کر لیا اور باقی فقہی حلقے فطری عمل کے مطابق تاریخ کی نذر ہو گئے۔ اس کے بعد قیامت تک کسی مستقل مجتہد کی ضرورت باقی نہیں رہی اور اس علم کے بنیادی قواعد وضوابط کی تشکیل وترتیب کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ بالکل اسی طرح جیسے مثلاً علم نحو کے قواعد وضوابط کی ترتیب کا ایک دور تھا۔ اس دور میں مختلف ائمہ نے قواعد وضوابط وضع کئے جو قیامت تک اس علم کی بنیاد بن گئے۔ اب ان بنیادی قواعد وضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے۔ تشریح وتعبیر، ترمیم واضافہ اور اضافی قواعد کی تدوین کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے۔ اور ہر باصلاحیت کا حق ہے۔ کہ وہ اس جولانگاہ میں اپنے رہوار فکر کو جہاں تک اس کے بس میں ہو دوڑاتا چلا جائے۔ لیکن اگر وہ نحو کے بنیادی قواعد مثلاً الفاعل مرفوع والمفعول منصوب ومضاف الیہ مکسور کو تبدیل کرنے کی خواہش کا اظہار کرے گا۔ تو کوئی ذی ہوش شخص اسے یہ حق دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ اس لئے اگر علم وفنون کی تشکیل وتدوین کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کے بنیادی قواعد وضوابط کی وضع وتدوین کا باب بند پڑا تھا۔ تو اسے علماء یا فقہاء نے بند نہیں کیا بلکہ اس کے پیچھے فطری عمل اور تاریخ کا تسلسل کارفرما ہے۔ معزز شرکاء محفل! اصل مسئلہ اجتہاد کے باب کا کھلا ہونا یا بند ہو جانا نہیں بلکہ آج کے دور میں انسانی معاشرہ کو درپیش مسائل اور اجتہادی عمل کے درمیان پائی جانے والی وہ خلیج ہے۔ جو ہر باشعور شخص کو واضح بطور پر نظر آرہی ہے۔ اور ہر شخص اپنے ذوق اور ذہنی استعداد کے مطابق اس کی تعبیر کر رہا ہے۔ اس خلیج کا باعث اجتہاد کی بندش نہیں بلکہ اجتہاد کے جاری وساری عمل کو صحیح طور پر استعمال میں نہ لانا ہے۔ اور میری ناقص طالب علمانہ رائے میں مسائل حاضرہ اور اجتہادی عمل کے درمیان پائی جانے والی اس خلیج کے اہم اسباب یہ ہیں۔

مسائل حاضرہ اور اجتہادی عمل کے درمیان پائی جانے والی خلیج کے اہم اسباب:

ا) اب سے ایک ہزار قبل اسلامی اعتقادات پر یونانی فلسفہ کی یلغار کے دور میں ہمارے علماء نے اس فلسفہ کی ماہیت اور مضرات کا صحیح طور پر بروقت ادراک کر لیا تھا۔ اور اس سے کماحقہ واقفیت حاصل کر کے اسی کی زبان میں اس کے توڑ اور مقابلہ کی فضاء پیدا کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے یونانی فلسفہ اسلامی اعتقادات پر حملہ میں کامیابی حاصل نہ کر سکا مگر اب سے کم وبیش دوسو برس پہلے سائنسی ایجادات وانکشافات، صنعتی ترقی اور مغرب کے لادینی فلسفہ حیات کی بیک وقت پیش رفت کے موقع پر ہمارے علمی ادارے اس سہ جہتی یلغار کی نوعیت اور نفع ونقصان کا صحیح طور پر اندازہ نہ کر سکے اور امام رازیؒ، غزالیؒ، ابن رشدؒ اور تیمیہؒ کی طرح مخالف فلسفہ کا برابر کی سطح پر مقابلہ کرنے کی بجائے دفاعی پوزیشن اختیار کر لی گئی۔ جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ اور مغرب کا فلسفہ لادینیت امت مسلمہ کے مختلف طبقات کے ذہنوں میں غیر شعوری ارتداد کی کمین گاہیں قائم کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ اگر اس دوران میں علمی ادارے اور دینی مراکز سائنسی علم، صنعت وحرفت اور مغربی فلسفہ سے واقفیت اور اس کی تعلیم کے دروازے بند نہ کر لیتے اور خود اعتمادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں علوم کے ہتھیاروں کو ان سے مقابلہ کے لئے اختیار کرتے تو آج مغرب کا لادینی فلسفہ مسلمانوں کے اعتقادی، نظریاتی معاشرتی اور تہذیبی ڈھانچے کے لئے اس قدر چیلنج نہ بن پاتا۔

۲) کوئی نظام جب تک معاشرہ میں نافذ العمل رہتا ہے۔ معاشرہ کی بدلتی ہوئی صوت حال پر نظر رکھنا اور نئے پیش آمدہ مسائل اور قانون میں نظر مطابقت پیدا کرتے رہنا قانون اور اس سے متعلق اداروں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مگر بیشتر مسلم ممالک پر استعماری قوتوں کے تسلط کے دور میں یہ صورت قائم نہ رہ گئی۔ ان ممالک کے قانونی نظام بدل گئے، قضا کے منصب نے افتاء کی صورت کو اختیار کر لیا، اسلامی احکام وقوانین پر عمل کی حیثیت ایک اختیاری عمل کی سی رہ گئی۔ جس کی وجہ سے معاشرہ کی ضروریات کا جائزہ لینا اور قانون کے ساتھ ان کی تطبیق کی صورتیں پیدا کرنا قضا کے علم سے تعلق رکھنے والے افراد اور ان اداروں کی ذمہ داری نہ رہی بلکہ یہ ذمہ داری عام مسلمان کو منتقل ہوگئی۔ کہ اگر وہ کسی معاملہ میں شرعی حکم معلوم کرنا چاہتا ہے۔ تو کسی مفتی سے دریافت کر لے، اس تنزّل نے احکام وقوانین کی اجتماعیت کا تصور مجروح کر دیا۔ انفرادیت اور محدود سوچ اجتہادی عمل پر غالب آ گئی اور معاشرہ کے اجتماعی مسائل ومشکلات کو اجتہاد کے ذریعے حل کرنے کا کوئی مربوط نظام باقی نہ رہا۔

۳) دور غلامی میں دینی مدارس اور ان کے نظام تعلیم کا بنیادی ہدف اسلامی عقائد کو دینی علوم اور مسلم معاشرت کا تحفظ تھی۔ جس میں انہیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور برصغیر میں دینی مدارس کے ہاتھوں فکری اور تہذیبی شکست مغربی فلسفہ کے علمبرداروں کے لئے ابھی تک سوھان روح بنی ہوئی ہے۔ لیکن بنیادی ہدف چونکہ تحفظ تھا۔ اس لئے دینی مدارس کے ''نصاب ونظام'' کی ترجیحات اسی ''تحفظ'' کے گرد گھومتی رہیں اور معاشرہ میں شرعی احکام وقوانین کی تطبیق وتنفیذ کے اہداف میں نہیں تھی اور نہ ہی دور غلامی میں اس کے بارے میں سوچا جاسکتا تھا۔ تو اس کا فطری طور پر تطبیق وتنفیذ سے متعلقہ اجتہادی عمل دینی مدارس کی ترجیحات میں جگہ نہ پا سکا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ دینی مدارس سے فارغ ہونے والے علماء کی غالب اکثریت اجتہاد کی اہمیت وضرورت، معاشرہ میں اس کے حقیقی کردار اور اس کی صلاحیت واستعداد کے تقاضوں سے یکسر بے خبر ہے۔

اجتہادی عمل اس دوران بند نہیں ہوا بلکہ اس کا دائرہ محدود ہو گیا تھا۔ مختلف مکاتب فکر کے بڑے بڑے دارالافتاء اس دوران جو کام کرتے رہے۔ اس کا بیشتر حصہ اجتہاد کے زمرہ میں آتا ہے۔ لیکن معاشرہ میں شرعی احکام وقوانین کی تطبیق وتنفیذ کا عمل اجتہاد کے دائرے میں شامل نہ رہا اور مغربی فلسفہ حیات کی ہمہ جہتی یلغار کا صحیح طور پر ادراک نہ کرتے ہوئے۔ اس کے مقابلہ کے لئے بروقت پیش بندی کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ جس کی وجہ سے مسائل حاضرہ اور اجتہادی عمل کے درمیان وہ خلیج نظر آ رہی ہے۔ جس نے نہ صرف اصحاب فکر ونظر کو مسلسل پریشان کر رکھا ہے۔ بلکہ مسلم ممالک بالخصوص پاکستان میں اسلامی نظام کے عملی نفاذ میں ایک بڑے رکاوٹ کی حیثیت اختیار کئے ہوئے ہے۔

عصر حاضر میں اجتہاد کی اہلیت کا مسئلہ:

حاضرین کرام! اجتہاد کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے ایک اور سوال کا جائزہ لینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ ہے۔ اجتہاد کی اہلیت کا مسئلہ جس نے علماء دین اور جدید اہل دانش کے درمیان باقاعدہ تنازعہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال کے بعض خطبات کا سہارہ لیتے ہوئے ان کے فرزند جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال اور ان کے ساتھ قانون دانوں کا ایک

طبقہ یہ موقف اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کہ علماء کرام چونکہ آج کے علوم وفنون اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے مسائل اور ان کے اسباب ونتائج سے براہ راست واقف نہیں ہوتے اس لئے ان میں اجتہاد کی اہلیت نہیں ہے۔ اور اجتہاد کا یہ حق پارلمینٹ کو منتقل ہوجانا چاہئے۔ جبکہ علماء کرام کا موقف یہ ہے۔ کہ فقہاء نے اجتہاد کے لئے جن علوم کی مہارت کو شرط قرار دیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم، سنت رسولؐ، اجماع امت، اقاویل سلف، علوم عربیت چونکہ پارلیمنٹ اور دیگر آئینی ادارے ان علوم سے آگاہی نہیں رکھتے اس لئے ان کے لئے اجتہاد کا حق تسلیم کرنے سے تحریف دین کا دروازہ کھل جائے گا۔

ہماری ناقص رائے میں ان دونوں موقفوں کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اجتہاد کے مسلمہ اصولوں کے مطابق مجتہد کے لئے مآخذ اور محل دونوں کے ساتھ اجتہادی درجہ کی واقفیت ضروری ہے۔ مآخذ سے مراد وہ علوم شرعی ہیں۔ جن سے آگاہی کو فقہاء کے لئے شرط ٹھہرایا ہے۔ اور محل سے مراد اس شعبہ زندگی کے مروجہ قواعد وضوابط، روایات اور عرف ہے۔ جس سے متعلق مسئلہ درپیش ہے۔ مآخذ اور محل سے کماحقہ آگاہی اور ان دونوں کے درمیان تطبیق کی صلاحیت کے تین اجزاء سے اجتہاد کا عمل ترتیب پاتا ہے۔ اور اس اجتماعی تناظر میں دیکھا جائے تو دونوں طبقات کے موقف میں واقعاتی بنیاد کسی نہ کسی حد تک ضرور موجود ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک کو یکسر نظر انداز کر دینا انصاف کے تقاضوں کے منافی ہوگا۔

جدید اہل دانش کا خیال ہے۔ کہ زمانے کے حالات، متعلقہ شعبہ زندگی کے قواعد وروایات اور عرف سے آگاہی اصل ہے۔ جبکہ قرآن کریم کے تراجم وتفاسیر، احادیث کی شروح وتراجم اور فقہی احکام کے ذخیرے وافر مقدار میں میسر ہونے کی وجہ سے مآخذ سے عدم واقفیت کا خلاء کسی حد تک پُر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ مطالعہ کا علم کسی بھی علم کی باقاعدہ تعلیم کا متبادل تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور کسی بھی علم میں لٹریچر کی فراوانی اور عام افراد کی اس تک رسائی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ لٹریچر تک رسائی رکھنے والے شخص نے محض اس بنیاد پر اس علم میں اس درجہ کی ''قیادت'' کی سند بھی حاصل کر لی ہے۔ جو کسی بھی علم میں اجتہادی عمل کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ آج ملک میں بہت سے افراد مل جائیں گے جن کا آئین وقانون کا مطالعہ اور ان کی تشریح کی صلاحیت متوسط درجہ کے وکلاء سے زیادہ ہے۔ لیکن ملک کی کوئی عدالت ایسے شخص کو کسی آئینی اور قانونی معاملہ میں رائے کا باقاعدہ حق دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ یہ اصل اور ضابطہ کی بات ہے۔ جس سے کسی شعبہ زندگی میں انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری طرف علماء کرام کا یہ طرز عمل بھی محل نظر ہے۔ کہ محل سے ناواقفیت یعنی متعلقہ مسئلہ کے مالہ وماعلیہ اور اس کے حوالے سے مروجہ عرف وروایات سے عدم آگاہی کے خلاء کو متعلقہ شعبہ کے کچھ افراد سے پوچھ گچھ کی صورت میں پُر کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اور حالات زمانہ، مروجہ عرف وروایات سے اس درجہ کی ''عملی ممارست'' کو ضروری نہیں سمجھا جارہا جو کسی زمانے ہمارے فقہاء کا طرۂ امتیاز ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر عبادات میں لاؤڈ سپیکر کے جواز اور عدم جواز کی بحث پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ جس میں طویل بحث ومباحثہ کے بعد کسی حتمی نتیجہ پر پہنچنے میں ہمیں کم وبیش ربع صدی کا وقت لگا اور اگر ان اسباب کا تجزیہ کریں گے۔ سب سے بڑا سبب وہی لاؤڈ سپیکر کے تکنیکی معاملات سے ''عملی ممارست'' کا فقدان قرار

پائے گا۔ جس نے ہمیں ربع صدی تک تکنیکی بحث میں الجھائے رکھا۔ اس کے ساتھ مسئلہ کا یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے۔ کہ علماء کرام کے لئے زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ اس درجہ کی ''عملی ممارست'' کو شرط قرار دینا تکرار ہے۔ اور انہیں اس کے لئے مجبور کرنے کے بجائے خود محل نظر ہے۔ یہ ''تخصیصات'' کا دور ہے۔ ماخذ کے اعتبار سے سب علوم شرعیہ پر یکساں مہارت رکھنے والے حضرات کا ملنا ہی مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اور اگر محل کے لحاظ سے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے اطوار وعرف سے واقفیت کو بھی ساتھ شامل کرلیا جائے تو بات اور زیادہ پیچیدہ ہو جائے گی۔ قدیم فقہاء نے ماخذ کے لحاظ سے تو ''تجزی فی الاجتہاد'' کے عنوان سے اس کا حل پیش کیا تھا۔ کہ ایک شخص ایک شعبہ میں اجتہاد کی اہلیت سے بہرہ ور ہے۔ اور دوسرے شعبہ میں نہیں ہے۔ تو یہ صورت جمہور فقہاء کے نزدیک قابل قبول ہے۔ اور اگر ''تجزی فی الاجتہاد'' کو محل کے نقطہ نظر سے بھی تسلیم کرلیا جائے تو معاملات میں توسع اور تنوع کا دائرہ پھیلتا چلا جائے گا۔

موجودہ دور میں اجتماعی اجتہاد کے لئے کونسل (کمیٹی) قائم کرنے کی تجویز:

حضرات محترم! اصحاب فکر ونظر نے اس مشکل کا حل ''اجتماعی اجتہاد'' کی صورت میں تجویز کیا ہے۔ اور یہ کوئی نئی تجویز نہیں ہے۔ بلکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے طرز اجتہاد کا احیاء ہے۔ جن میں فقہاء اور ماہرین کی ایک بڑی جماعت مشاورت اور اجتماعی بحث مباحثہ کی صورت میں مسائل کے استنباط، استخراج کے مراحل کو تکمیل تک پہنچاتی تھی۔ اور اسی ''اجتماعی اجتہاد'' کے ذریعے مستنبط ہونے والے احکام ومسائل فقہ حنفی کا بنیادی ذخیرہ ہیں۔ اس لئے آج ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ امام اعظمؒ کے طرز اجتہاد کو زندہ کرتے ہوئے اہل علم اور ماہرین کی ایک ایسی کونسل قائم کی جائے۔ جو نہ صرف یہ کہ غیر سرکاری ہو بلکہ اقتدار کی کشمکش اور گروہی سیاست کی ترجیحات سے بے نیاز اور بالاتر ہو اس میں دینی علوم کے مختلف شعبوں کے چوٹی کے ماہرین کے ساتھ ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں میں عملی تعلق رکھنے والے تجربہ کار ماہرین کو بھی شریک کیا جائے اور باہمی بحث وتمحیص اور اجتماعی مشاورت کے ذریعے مسائل حاضرہ کا حل تلاش کیا جائے۔

آخر میں مسئلہ کے ایک پہلو کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دور جہاں علم اور فن کے لحاظ سے تخصیصات میں تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزر رہا ہے۔ وہاں معاشرت کے تخصیصات وامتیازات دن بدن کم ہوتے جا رہے ہیں۔ انسانی معاشرہ نیشنل ازم کے حصار توڑ کر انٹرنیشنل ازم کی طرف عازم سفر ہے فاصلے سمٹتے جا رہے ہیں اور انسانی زندگی تیزی کے ساتھ ایک مشترک بین الاقوامی معاشرت کی طرف بڑھ رہی ہے ان حالات میں ہمیں اجتہاد کی اہلیت کی شرائط میں

(۱) ماخذ سے آگاہی (۲) محل سے واقفیت اور (۳) تطبیق کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ (۴) بین الاقوامی رجحانات سے شناسائی کی شرط کا اضافہ بھی کرنا ہوگا اور اجتماعی معاملات میں بین الاقوامی امور کے ماہرین کے علم وتجربہ سے استفادہ کرنا ہوگا کیونکہ اسی صورت میں ہم مستقبل کے انسانی معاشرہ اور اجتہاد کے اسلامی اصول کے درمیان وہ حقیقی رشتہ جوڑ سکیں گے جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اپنی اہمیت کا پہلے سے زیادہ احساس دلا رہا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.